ماڈیول نمبر2 سبق نمبر13: کبیرداس

سبق نمبر	سبق کا نام	زبان کی مہارتیں				زندگی کی مہارتیں
		سننا/ بولنا	پڑھنا	لکھنا	اصناف/ قواعد/ صنائع بدائع/ اسلوب	سرگرمیاں/ عملی کام
13	کبیرداس	• نئے الفاظ، محاوروں اور کہاوتوں کا اپنی گفتگو میں استعمال	• نثر (مضمون)	• متن کی تفہیم کے بعد سوالات کے جوابات	• اردو اور ہندی الفاظ کا استعمال • عتیق اللہ کا اسلوب	• صوفی سنتوں کے خیالات جاننا اور انسان دوستی کے سبق کو سمجھنا

صنف کا مختصر تعارف

مضمون نگار، مضمون کو کئی اجزاء میں تقسیم کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ مضمون کے لیے ''عنوان'' منتخب کرتا ہے۔ ذیلی عنوانات بھی قائم کرتا ہے۔ یہیں پر مضمون نگار اپنے موضوع کی وضاحت کے لیے دلیلیں فراہم کرتا ہے، سوالات قائم کرتا ہے اور ان کے جوابات دیتا ہے۔ اس طرح خاتمے والے حصے میں وہ اپنے مطالعے کا حاصل لکھ دیتا ہے کہ وہ اس مضمون میں جو بات کہنا چاہتا تھا، اسے اس نے ثابت کر دیا۔

اردو میں مضمون نگاری کی ابتدا 1845 کے آس پاس دہلی کالج کے زیر اثر ہوئی مگر اس کی مقبولیت کا زمانہ 1857 کے بعد کا زمانہ مانا جاتا ہے، جب سرسید کی تحریک یعنی علی گڑھ تحریک اپنے شباب پر تھی۔ مضمون نگاری نے اردو نثر نگاری کے فروغ میں اہم حصہ لیا۔ سرسید کی کوششوں سے نکلنے والے اردو کے عہد ساز رسالے ''تہذیب الاخلاق'' نے مضمون نگاری کی روایت کو مستحکم کر دیا۔

مصنف کے بارے میں

مدھیہ پردیش کے شہر اُجّین میں 12/جولائی 1942 کو پروفیسر عتیق اللہ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اُجّین ہی میں ہوئی۔ مادھو کالج اُجّین سے بی اے کرنے کے بعد اسی کالج سے انگریزی میں ایم اے کیا اور دوسرا ایم اے اردو سے کیا۔ مراٹھواڑہ یونیورسٹی سے اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1978 میں شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، میں لکچرر ہوئے اور یہیں سے 2005 میں سبکدوش ہوئے۔

عتیق اللہ بیک وقت شاعر، نقاد، ڈراما نگار، صحافی اور مترجم ہیں۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے ''ایک سو غزلیں'' اور ''بین کرتا ہوا شہر'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ''قدر شناسی''، ''ترجیحات''، ''تعصّبات''، ''تنقید کا نیا محاورہ'' ان کی تنقیدی کتابیں ہیں۔

سبق کا خلاصہ

یہ ایک سوانحی مضمون ہے۔ سنت کبیر اہم اور معتبر شاعر ہیں۔ کبیر آج سے ساڑھے پانچ سو برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش کے متعلق صحیح معلومات نہیں ہیں۔ تاہم اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ کاشی (بنارس) میں لہرتارا نامی تالاب کے کنارے ایک کپڑا بننے والے نیرو اور اس کی بیوی نعیمہ کو ملے تھے۔ یہی بچہ کبیرداس کے نام سے مشہور ہوا۔ مضمون کی ابتدا میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کسی بھی بڑے ادیب و شاعر یا کسی اور عظیم ہستی کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ بچپن سے ہی انھیں کاموں میں زیادہ دلچسپی دکھاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مشہور ہوتے ہیں، جیسا کہ کبیر کتائی بنائی کا کام سیکھنے کے بجائے دن رات ایشور بھگتی میں مگن رہتے تھے۔ ذات پات، چھوا چھوت جیسی سماجی برائیوں سے دور رہنے لگے تھے۔

کبیر نے کسی اسکول میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ ان کا اسکول زندگی ہے۔گروسوامی رامانند اور پیر تقی ان کے استاد تھے، جن سے کبیر نے انسانیت کا پیغام سیکھا۔ دولت کو ٹھوکر مارنا اور خدا سے لو لگانا سیکھا۔ انسانوں کی خدمت کرنا سیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ خدا پر اگر یقین ہو تو بڑی سے بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے۔

خدا آدمی کے اندر ہی ہے۔ اسے آسمان یا قدرت کے نظاروں میں ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں۔جس کا من صاف ہو، وہ خدا کا دیدار کرسکتا ہے۔اس بات کو کبیر نے اپنے دوہے میں بیان کیا ہے۔مصنف نے تین دوہے پیش کیے ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ خدا انسان کے دل میں، پھول میں چھپی خوشبو کی طرح ہے۔ اسے کعبہ یا جگن ناتھ پوری میں ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مضمون نگار نے تین باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔پہلی یہ کہ محبت ہی زندگی کا واحد راستہ ہے جس کو اختیار کر کے ہم سکون وچین سے اس دنیا میں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں۔دوسری بات ہے ''موہ'' اور ''مایا''۔اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے لوگ دنیا سے اتنی موہ مایا پیدا کر لیتے ہیں، یعنی وہ زندگی میں کچھ بننے کے لیے اتنے لالچی بن جاتے ہیں کہ اپنوں بے گانوں کو ہی نہیں، خدا کو بھی بھول جاتے ہیں۔ہمیں اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔تیسری بات یہ کہ ہمیں مذہب کی بنیاد پر جھگڑے فساد نہیں کرنے چاہئیں، کیوں کہ دنیا کے سارے مذاہب ایک ہی ہیں۔خدا ایک ہے جس کے کئی نام ہیں۔

آخر میں ان کے چھے دوہے لکھے گئے ہیں اور مضمون نگار نے ان کے معنی بھی بتائے ہیں۔ان دوہوں میں کبیر نے انسانیت کا پیغام دیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں ہر آنے والا انسان، پریشانیوں میں گھر جاتا ہے۔آخر کے دو دوہوں میں کہا گیا ہے کہ انسان کو صرف خدا سے مانگنا چاہیے۔کسی انسان کے آگے ہاتھ پھیلانے سے کچھ نہیں ملتا۔

خاص باتیں

- ''سنت'' ہندی کا لفظ ہے۔کبیر کے ساتھ ''داس'' لگا ہوا ہے۔''داس'' کسی ذات کا نام نہیں اور نہ یہ کسی قوم یا گروہ کا نام ہے۔داس کے لغوی معنی غلام، نوکر، شودر کے ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ گھر میں کام کرنے والے سے لے کر کسی راجہ، یا بڑے لوگوں کی خدمت گزاری کرنے والے لوگوں کو داس کہا جاتا ہے۔لیکن کبیر داس کسی کے داس نہیں تھے۔وہ داس تھے ایشور کے، جہاں ان کے نام میں 'داس' کا مفہوم بڑے ہی وسیع معنی رکھتا ہے۔
- ''موہ مایا'' سے مراد انسان کے اندر دنیا سے ایسی لگاوٹ ہے، جہاں انسان انسانیت کو بھول جائے اور دولت کے پیچھے بھاگنے لگے۔اس کے نزدیک دولت کے سوا کسی بھی شے کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

غور کرنے کی باتیں

- مصنف نے مضمون میں جس زبان کو برتا ہے، اس سے بہت مختلف زبان کبیر نے اپنے دوہوں میں استعمال کی ہے۔کبیر جب شاعری کر رہے تھے، اس وقت کی اردو کچھ اسی شکل کی تھی۔کبیر نے عربی اور فارسی کے الفاظ کو ہندی تلفظ کے اعتبار سے استعمال کیا ہے۔مثلاً سب سے پہلے دوہے میں ''مکاما'' دراصل ''مقام'' ہے۔ یہاں ''ق'' کو ''ک'' کے طور پر استعمال کرتے ہوئے آخر کی 'میم' میں الف بڑھا دیا گیا ہے۔یہ ضرورتِ شعری ہے۔اسی طرح سے رحیم کو رحیما کر دیا گیا ہے۔کبیر کی زبان ''کھڑی بولی'' سے تعلق رکھتی ہے۔

سمجھنے کی باتیں

- کبیر کی زبان اردو کی ابتدائی زبان واسلوب کی مثال ہے۔
- ہندوستانی شاعری میں ''دوہا'' زمانہ قدیم میں غزل کی طرح مشہور صنفِ شاعری تھی اور آج بھی دوہے لکھے جا رہے ہیں۔

اپنی جانچ آپ کیجیے:

1۔ متن پر مبنی سوال:

- صحیح جواب کے سامنے '' ✓ '' کا نشان لگائیے۔

a) کبیر اپنے عہد کے بہت بڑے سیاست داں تھے۔

b) کبیر کا پیشہ سرکاری ملازمت تھا۔
c) وہ ایشور کی پوجا میں مگن رہتے تھے۔
d) وہ اپنے آپ کو وشنو بھگت کہا کرتے تھے۔
e) وہ من لگا کر کتائی بنائی کرتے تھے۔

2۔ مختصر ترین جواب والا سوال

- کبیر کے زمانے میں اردو کی کیا صورت تھی؟

3۔ مختصر جواب والا سوال

- مقام کو کبیر نے مکاما کیوں لکھا ہے؟

4۔ طویل جواب والا سوال

- کبیر کا پیغام کیا تھا؟ مفصل لکھیے۔